ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

نوآبادیات اردو افسانہ۔ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ

***صباح جاوید**

(پی ایچ ڈی سکالر اردو،لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور)

****ڈاکٹر محمد خان اشرف**

پروفیسر،لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور

ABSTRACT:

It is Human psychology to imitate rulers and power full persons.Britian Rule over the World hundred years. They make their Colonies in Captured area and imposed their laws and culture as well. Colonial Policies had brought many socio economic changes in those areas.Sub-Continent is the one which was effect by those polies. As the result of those policies social set up of Subcontinent had change in various ways.By the passage of time these changes grown up and made effect on the mind of people.Literature is known a true picture of society and reflection of any era.Colonial System had made effects over all genders of Urdu writing even many genders are because of English Literature and Afsana (Short Story) is the best example of these effects.In this article it is analyzed the way of thoughts of Urdu Aafsana in Colonial period.

نوآبادیات کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود بنی نوانسان کی۔انسان کی سرشت میں جدت اور تحقیق شامل ہے۔وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔انسان نے نئی آبادیاں بنائیں،اپنے رہنے سہنے کے معیار کو بہتر کیا اور نئے سیاروں کی دریافت کی۔ ان دریافتوں اور ایجادات کے محرکات مختلف رہے لیکن ہر دور میں انسان نے آبادیوں کو فروغ دیا اور رہائش وخوراک کے نئے ذرائع ممکن بنائے۔اسی خوب سے خوب تر کی تلاش کی جبلت ہی انسان کو ترقی، تحقیق اور تخلیق کے لیے آمادہ کرتی ہے۔الطاف حسین حالی کے بقول:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جاکر نظر کہاں

نئی آبادیوں کی آبادکاریوں میں نئی نئی اصطلاحات وضع ہوئیں کیوں کہ آبادکاری کے اعمال اور محرکات ومقاصد مختلف تھے اور ان کی نوعیت متنوع تھی۔نوآبادیات،سامراجیت اور استعماریت جیسی اصطلات سامنے آئیں۔آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق نوآبادیات سے مراد مختلف آبادکاروں کا کسی نئی زمین کو اس طرح آباد کرنا کہ آبادکاری کے اس عمل میں ان کا جدی ریاست(Parent State)سے تعلق برقرار رہے اور آبادکاری کے مراحل جدی ریاست کے زیر نگرانی پروان چڑھیں۔(1)

آنیہ لوبا(Ania Loomba)نے آبادیات کی تعریف ان الفاظ میں کی:

"نوآبادیات سے مراد دوسرے لوگوں کی زمین کو فتح کرکے ان کی املاک پر قبضہ کرلینا ہے"(2)

ایڈورڈ ڈبلیو سعید نوآبادیات اور سامراجیت میں فرق ان الفاظ میں کیا ہے:

"سامراجیت(Imperilisom) کسی دور دراز خطے پر مقتدر کسی غالب میٹروپولیٹن مرکز کے عمل، نظریے اور رویے کا نام ہے
جب کہ نوآبادیات(Colonilism) سامراجیت کے نتیجے میں دور دراز خطے پر آبادکاری مسلط کرنے کا عمل ہے۔(3)

اس تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی طاقت اور قوم یا ملک کسی کمزور ملک یا قوم کے علاقے اور وسائل پر قابض ہوجائے اور وہاں اپنی رہائش اختیار کرلے تو وہ نوآبادیت کے زمرے میں آئے گا۔اس اصطلاح کا اطلاق عموماً مغربی اور یورپی ممالک پر ہوتا ہے جنھوں نے بحری بیڑوں کی بنا پر کئی دوسرے ممالک میں تجارت کی غرض سے ان کے وسائل پر قابض ہوگئے اور ان کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

وسائل کو اپنے ممالک میں منتقل کر کے خوب ذر مبادلہ کمایا اور زیر تسلط علاقوں کو کنگال کر دیا۔اٹھارویں،انیسویں اور بیسویں صدی میں برطانوی قوم نے دنیا کی مختلف اقوام کو زیر نگیں نو آبادی بنایا اور ایک مربوط نو آبادیاتی نظام قائم کر کے دنیا کے ایک چوتھائی حصے پر اپنا تسلط قائم رکھا:

> "In practical terms, however, when we are studying British imperialism, particularly in the imperial age which began around the 1870s, we mean the doctrine that the rule of the English race over other races of Asian and African origin was something desirable, profitable humanitarian and moral, that it was a proof of the superiority of one particular race over all others, and that both providence and science were on the side of the ruling race."(4)

سامراجیت اور نو آبادیات کے اس تسلط کا اثر نہ صرف معیشت اور سیاست پر پڑا بل کہ مقتدر قوتوں کی بود و باش، رہن سہن اور پسند و ناپسند اور فکر و عمل عوام میں سرایت کر جاتے ہیں اور شعوری یا لاشعوری طور پر ان کے فکری اثرات اس قوم کے ہر فکری طبقہ کو متاثر کرتے ہیں۔ادب دراصل کسی بھی تہذیب،معاشرت یا دور کا عکاس ہوتا ہے اسی لیے نو آبادیات کے اردو ادب کی دیگر اصناف کے علاوہ اردو افسانے پر بھی پڑے بل کہ برصغیر میں داستان گوئی کا رواج تھا افسانہ کی صنف بھی انگریزی ادب کے اثر کا نتیجہ ہے۔نو آبادیات کے اثرات مختلف علاقوں میں مختلف پڑے کیوں کہ ہر علاقے کی روایات،ثقافت اور سوچ و فکر کا منبع و مرکز جدا جدا تھا اس لیے اس علاقے کی بنیادی سوچ و فکر اور زندگی کے فلسفہ پر نو آبادیات سے تغیر و تبدل وقوع پذیر ہوا۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> "نو آبادیاتی ثقافت عمومی اور آفاقی نہیں یعنی یورپ نے ایشیا و افریقہ کے ملکوں پر قبضے کے لیے یکساں نو آبادیاتی حکمت عملی اختیار نہیں کی اس لیے ہر جگہ نو آبادیاتی تصورات ایک جیسے نہیں ہوتے۔(5)

ان استعماری قوتوں نے ہر علاقے اور قوم کے لیے الگ حکمت عملی اور طریقہ کار وضع کیا جس میں ان کی اپنی ثقافت، رہن سہن اور مذہب بھی تھا اور ان کے افکار بھی۔انھوں نے جدی ریاست کی فلاح و بہبود اور ترقی کا تاثر دے کر اپنے مذہبی افکار اور معاشی و سیاسی اہداف حاصل کرنے کی کوشش کی۔برصغیر پر قبضہ میں ان کے کئی مشنری اداروں کا قیام اس کا بین ثبوت ہے۔

بقول ڈاکٹر ناصر عباس نیر:

> "نو آبادیات کا قیام بڑی حد تک یورپ یا مغرب کی مرکزیت کے قیام،انجذاب اور استحکام کا مرہون منت تھا۔یورپ یا مغرب کا علم ،نظام حکمرانی، تعلیمی تصورات،ثقافتی رسوم مثالیہ اور آفاقی قرار دیے گئے تھے اور نو آبادیوں میں انہیں پھیلانے اور رائج کرنے کی کوششیں کی گئیں۔(6)

اردو افسانے کی صنف بیسویں صدی کے آغاز سے متعارف ہوئی۔یہ بحث بے فائدہ ہے کہ اردو کا پہلا افسانہ نگار کون ہے۔راشد الخیری یا کسی دوسرے مصنف کی کوئی ایسی تحریر جو افسانے سے مشابہہ ہو اگر دستیاب ہو بھی جائے تب بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس تحریر کا مصنف کسی نئی صنف کی طرح ڈالنے والا ہے۔ اتنی بات واضح ہے کہ سجاد حیدر یلدرم اور منشی پریم چند نے بیسویں صدی کے اوائل میں تواتر سے لکھا۔یلدرم نے ترکی کے افسانے سے بہت کچھ اخذ کیا اور چند طبع زاد افسانے بھی لکھے۔ انھوں نے اُردو ادب میں رومانی افسانے کی روایت کا آغاز کیا۔ نیاز فتح پوری اور مجنوں گور کھپوری نے سجاد حیدر یلدرم کے رومانی افسانوں سے بہت کچھ سیکھا اور ان سے یہ رجحان دوسرے افسانہ نگاروں تک منتقل ہوا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ پریم چند نے اردو افسانے کی بے نظیر خدمت کی۔ ان کے ہاں رومانی عناصر بھی کسی حد تک موجود ہیں۔کہیں مثالیت پسندی اور کہیں بازیافت بھی لیکن مجموعی طور پر وہ حقیقت نگار ہیں۔ان کے متعدد افسانے موضوعات اور تکنیک کے تنوع کی متاثر کن امثال پیش کرتے ہیں۔راہ نجات، شکوہ شکایت، لاٹری، قزاقی، پنچایت وغیرہ ایسے افسانے ہیں جو موضوع اور تکنیک کی رنگارنگی سے عصر حاضر میں بھی قاری کو متاثر کرنے کی بھر پور صلاحیت سے مزین ہیں۔'کفن' ان کی حقیقت نگاری کا نقطہ عروج ہے۔جس سے اس رجحان نے ہمارے افسانے میں جڑ پکڑی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

اُردو افسانے کی تاریخ میں "انگارے" کی اشاعت ایک نیا موڑ ہے۔1932ءمیں اشاعت پذیر ہونے والے اس مجموعے کا رویہ باغیانہ ہے اس میں ہر قسم کی روایات کے خلاف احتجاج پایا جاتا ہے، خواہ اس کا تعلق مذہب سے ہو یا رسم و رواج سے۔

نو آبادیاتی نظام کے تہذیبی و ثقافتی اثرات کے تحت سجاد حیدر یلدرم کے افسانوں میں مغربی تہذیب ہندوستان کے ماحول میں رچی بسی نظر آتی ہے۔ مغربی آلات موسیقی آرائشی سامان فرنیچر مغربی تعلیم مغربی درس گاہیں، فضا میں اذان یورپیوں کی تقلید کرتے کرتے ان کے تہذیبی عناصر کو اس حد تک اپنا چکے ہیں کہ وہ خوشہ چینی کے زمرے سے نکل کر طبع زاد کے شمار میں آ گئے ہیں۔

" میں پیانو کے پاس بیٹھی تھی، وہ مجھ سے ذرا دور آرام کرسی پر ڈھیر ہو رہے تھے میں یونہی بیٹھی پیانو کو بجا نہیں رہی تھی بل کہ کھیل رہی تھی۔"(7)

پریم چند ایک عظیم فنکار ہیں انھوں نے مقصدیت کو اپنے فن پر غالب نہیں آنے دیا، زبان و بیان کی سادگی اور حلاوت بھرے موضوعات سے کہیں دبنے نہیں پاتی۔ انھوں نے غلامی کے خلاف اور نو آبادیاتی نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی جرأت کی ہے اور ہندوستانیوں کے استحصال کو روکنے کے لیے اپنے افسانوں کے ذریعے آواز اٹھائی ہے اپنے پہلے افسانوی مجموعے میں ہی حب الوطنی کے جذبات کو قلم بند کرتے نظر آتے ہیں۔" دنیا کے سب سے انمول رتن" وہ وطن پر مٹ جانے والے شہید کے خون کے آخری قطرے کو دنیا کا انمول رتن کہتے ہیں، یہ شہید ہندوستان کی سرزمین کو دشمنوں سے بچاتے ہوئے شہید ہوتا ہے اور شہاست کی موت کو غلامی پر ترجیح دیتا ہے۔

" ہمارے باپ دادا کا دیس ہاتھ سے آج نکل گیا۔۔۔ کیا میں اپنے ہی وطن میں غلامی کرنے کے لیے زندہ رہوں۔ نہیں ایسی زندگی سے مرنا اچھا۔"(8)

مس بوگن سے پنڈت شیام سروپ مصافحہ کرتے ہیں جو ہندوستانی مرد اور ہندوستانی معاشرے کے لیے ایک بہت بڑا انقلابی رویہ ہے۔

" مس بوگن سے ہاتھ ملایا اور اسے بلا کر کچھ پوچھنے کا موقع دیئے ہوئے ہاتھ پکڑ کر زنانہ نشست گاہ میں لے گئے۔"(9)

"لال فیتہ" پریم چند کا ترقی پسند خیالات کا حامل افسانہ ہے جس میں مسٹر ہری بلاس انگریز سرکار کے انتظامی ڈھانچے میں ایک فعال رکن کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سرانجام دے رہے ہیں لیکن ان کا دل اپنی سرزمین اور اس میں بسنے والے ہندوستانیوں کے لے دھڑک رہا ہے۔

" میں سرکار کا غلام ہوں۔۔۔۔۔۔ میرا منصبی تعلق عارضی ہے، وطنی تعلق دائمی ہے۔"(10)

مصور غم علامہ راشد الخیری میرا اچھن نے تہذیب مغرب کے سیلاب میں بہہ کر اپنا رہنے سہنے کا انداز اور گھر کی آرائش کا سامان اور طرز خورد و نوش کو تبدیل کر ڈالا۔ یہ چلن اس وقت کے ہندوستان کے اکثر خاندان کا رہا تھا۔

" اچھین کی حالت طریقہ رہائش اور بود و باش میں اگر صرف اتنی سی تبدیلی ہوتی کہ دری چاندنی کی بجائے میز کرسیاں، حقہ بدلے سگریٹ اور پانی کے عوض سوڈا۔ تو حاشا و کلاء ہم کو ہرگز شکایت کا موقع نہ گھا مگر رونا اسی کا ہی ہے کہ جب تک ماماچاء کی تین پیالیاں اور ہاف بوائل انڈے لا کر نہ دیتی تو اللہ کے بندے بچھونے سے نہ اٹھتے۔"(11)

افسانہ" اسباب کا غلام" میں محمد علی ردولوی ہندوستان کے اس دور کا نوحہ قلم بند کر رہے ہیں۔ جب انگریزوں نے ہندوستانی عوام سے انھیں آزادی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ دور جنگ عظیم کے بعد ہے۔ جنگ عظیم میں ہندوستانیوں کو برطانوی فوج میں بھرتی کر کے استعمال کیا گیا۔

"جب لڑائی ختم ہو چکی تھی، جو لوگ جنگ عظیم سے واپس آئے تھے، ان کو خود اپنی غلام مزاجی پر تعجب تھا اور جو لوگ یہیں رہے تھے۔ وہ ان کے وعدے وعید کا آسرا لگائے تھے جو انگریزوں نے ہندوستانیوں سے کہا تھا۔ انگریزوں کے دماغوں پر فتح مندی کا غرور تسلط کئے ہوئے تھا اور ہندوستانیوں کے دل خدمت گزاری کے انعام سے رفتہ رفتہ مایوس ہوتے جاتے تھے۔ حکمران ملک کے دل میں پھر سے اپنی جبروت قائم کرنے کا خیال تھا اور یہی پالیسی یہاں کے انگریز بھی برت رہے تھے۔"(12)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

نیاز فتح پوری نیاز فتح پوری کے رومانوی قلم سے نکلنے والی تحریروں میں حقیقی موضوعات کو بھی چھا گیا ہے۔ نو آبادیاتی نظام نے ہندوستان کو تاخت و تارج کرنے کے ساتھ ساتھ یہاں کئی نئے شہر بھی آباد کیے اور قدیم شہروں کو از سر نو تعمیر بھی یا۔ جن میں کلکتہ، مدراس، سورت اور بالخصوص بمبئی اہیم ہیں۔ بمبئی انگریزوں کا آباد کیا ہوا شہر ہے اور اس دور کی عظیم یادگار ہے۔

" اور پھر تماشہ یہ کہ جہاں کسی نے "کلکتہ، بمبئی" یا کسی دسرے دولت مند شہر کا نام لے دیا تو قریب جانے والے غریب کچھ ایسے مرعوب ہو جاتے ہیں کہ خواہ مخواہ وہ اس کے اندر شان امارت محسوس کرنے لگتے ہیں۔"(13)

پنڈت یدری ناتھ سدرشن نو آبادیاتی نظام کے نفاذ اور مغلیہ سلطنت کا اختتام کتنا خون ریز اور ہلاکت خیز تھا اس کا اندازہ سدرش کی ایک اور پیش کردہ تصویر سے ہوتا ہے۔ مغل دربار پ رقبضے کے بعد انگریزوں کی بربریت اور جارحیت معصوم بچوں اور عورتوں کے قتل تک اتر آئی۔ اس کے رد عمل کے طور پر ہندوستانی باغیوں نے انگریز عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔

افسانہ" ترکِ نمود" ہندوستان پر انگریزی تہذیب کی یلغار کا شاخسانہ ہے۔ انگریزی تہذیب کی چکا چوند نے ہندوستانیوں کو اس اس کی اندھا دھند پیروی کا قائل کر لیا۔ ہندوستانیوں کا طرز بود باش، آداب محفل سب اسی رنگ میں ڈھل گئے۔

" انگریزی ٹوپ پہنتے، دہلی میں کوئی تھیٹر آتا تو اڑ کر پہنچے۔ ان کی کوٹھی بھی پورے طور پر مگڑبی تہزیب کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ وہی روشیں۔ وہی ریشمی پردے، وہی گدیلے دار کرسیاں، وہی بھاری اور لمبی چوڑی مزیں، وہی انگریزی اخبار، فرش پر دریاں، دیواروں پر شیکسپئیر کے ناٹلوں کے مناظر دیکھ کر گمان بھی نہ ہوت تھا کہ یہ کسی ہندوستانی کی کوٹھی ہے اور اگر کوئی کسر رہ جاتی تو اسے ملازم پورا کر دیتے تھے۔ وہ سیٹھ صاحب کو" صاحب" کہہ پکارتے تھے۔"(14)

انگریزی تہذیب کی چمک تب آنکھوں سے اترتی ہے جب" دھنی رام" کی بیوی کی بجائے بہن کلب چلنے کو کہتی ہے۔" دھنی رام" کی غیرت اور جمیت اس وقت مغربیت کا چولا اتار کر خالص مشرقی مرد ثابت کرتی ہے۔ لیکن آدھا تیتر آدھا بٹیر کے مصداق یہ کردار اپنی اصل شناخت تلاش کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

مجنوں اپنے معاصرین کی طرح انگریزی رومانوی شاعروں اور ادیبوں سے متاثر تھے۔ مجنوں کی تحریروں پر نیاز کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ بالخصوص ان کا ناولٹ" زیدی کا حشر" نیاز کے ناولٹ "شہاب کی سرگزشت" سے مماثل ہے۔ نیاز کے ہاں بھی انگریزی ادب اور خاص طور پر شیکسپئیر کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اپنے افسانے "کیوپڈ اور سائیکی" کے آغاز میں وہ ایک انگریز مفکر کا قول نقل کرتے ہیں۔

" یورپ کے ایک ماہر ادب کا مقولہ ہے کہ اگر ہمارے تمام سلطنت ایک طرف رکھ دیئے جائیں اور شیکسپئیر کا لٹریچر دوسری طرف اور ہم سے کہا جائے کہ ان میں سے ایک چیز پسند کر لو تو ہم بلا تامل کہہ دیں گے کہ ہماری ساری سلطنت و حکومت لے جاؤ لیکن شیکسپئیر اور اس کے لٹریچر کو ہمارے لیے چھوڑ دو کہ ہمارے لیے اسی میں بقائے حیات ہے۔"(15)

مجنوں گورکھپوری کی افسانہ نگاری کا دور وہ ہے۔ جب برصغیر پر انگریز حکمران تھے اور نو آبادیاتی نظام اپنے مکمل انتظامی ڈھانچے کے ساتھ فال حالت میں ہندوسان پر رائج تھا۔ ہندوستانی حریت پسندانہ جذبات کے ساتھ ساتھ اس نظام کو بھی قدرے تسلیم کر چکے تھے۔ اس دور کے لوگوں کی روشن خیالی اور سماجی لحاظ سے برتر حیثیت انگریزوں اور انگریزی تہذیب کی پیروی پر منحصر تھا۔ طبقہ اسراف وہ تھا۔ جو انگریزوں کا سب سے بڑا پیروکار ہو۔ اگرچہ تعلیم نسواں اور آزادی نسواں جیسے روشن پہلو بھی اسی نظام کی دین تھا۔

اختر انصاری (یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء تا ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۸ء) کے افسانے تخیل کی بلند پروازی کی بجائے حقیقت اور اس کے تہہ در تہہ و مخفی رموز کی عقدہ کشائی کے حامل ہیں۔ وہ چھوٹی حقیقتوں پر بے ساختہ اور رواں پیرائے میں ایسے تبصرہ کرتے ہیں کہ کہانی خود بخود آغاز سے انجام تک مرتب ہو جاتی ہے۔

نو آبادیاتی نظام کے خلاف ان کے افسانوں میں کوئی جہاد یا ولولہ انگیز نہیں ملتی۔ بس ایک ہلکا سا جتجاج ہے جو اس زندگی کی خامیوں پر تبصرے کی شکل میں موجود ہے۔ جو انگریز حکومت کے زیر نگرانی ہندوستان میں بسر کی جارہی ہے۔ اپنے افسانہ "اسپتال" میں استعاراتی انداز میں وہ اپنی سرزمین کو ایک بڑے اسپتال سے مشابہہ قرار دیتے ہیں۔

" وہ اسپتال یہی سرزمین ہے جس پر آپ رہتے ہو۔ آپ اور آپ جیسے بہت سے مریض۔۔۔۔ افلاس، احتیاج، جہالت، پستی، ذلت اور تعصب کے مریض!!"(16)

اس دور میں انگریزون کی معاشرت اور ان کی حکومت سے ہر رجعت پسند اور بنیاد پرست ہندوستانی خائف اور نالہ سنج تھا۔ نئی نسل کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں انگریزی وضع داری کے قریب بھی پھٹکتے تو اسن کے بڑے انھیں ناپسند کرتے ایسا ہی ایک واقعہ "اٹھارویں صدی کا ظلم" میں ہے۔ جس میں ایک بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی کو ڈانٹتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

> ” پڑھتے پڑھاتے خک نہیں، روپیہ ضائع کرتے ہیں، انگریز بنے جاتے ہیں،عیسائیوں کے سے بال ہیں، مونچھیں منڈی ہوئیں۔“(17)

اختر انصاری کا ایک اور بڑا موضوع عورت ہے۔ لیکن یہ عورت کسی مرد کی جنسی لزتیت کا شکار نہیں بل کہ معاشرے کا وہ کمزور پہلو ہے جو اپنے بنیادی حقوق کے لیے دوسرے کے ہاتھوں کی طرف دیکھتی ہے۔”ستارہ“ میں اختر انصاری گھر کی نوکرانی کے بحیثیت انسان بنیادی حقوق کی بات کرتے ہیں۔

> ” اس کے ماں باپ اپنی زندگی کے تمام آلام اور ساری مصیبتیں اسی کو سونپ گئے ہیں اور آج جب کہ اس کو کھیل کود اور دوسرے بے معنی مشاغل میں اپنا وقت ضائع کرنا چاہیے تھا،وہ محنت کر رہی ہے اور اپنی محنت سے اپنا پیٹ پال رہی ہے۔“(18)

اختر انصاری کے نزدیک عورت ایک مکمل انسان ہے لیکن اس کے حقوق کے بارے میں آج تک کسی نے آواز نہیں اٹھائی ”خام مال‘ ‘ میں وہ کہتے ہیں۔

> ” اس لیے کہ دیہاتی دوشیزہ پانی کا گھڑا ڈھونے سے زیادہ امکانات اپنے اندر رکھتی ہے۔اس کی داستان ان ہزاروں لاکھوں لڑکیوں کی داستان ہے جن کے ماں باپ ان کو ابتدائی تعلیم دلانے کا مقدور بھی نہیں رکھتے۔ کتنے آنسو ہیں جو آنکھوں سے بہہ جاتے ہیں۔۔۔۔ نو عمر لڑکوں کے آنسو! کتنی آہیں جو دل سے اٹھتی ہیں اور سینے کے اندر گٹ کر رہ جاتی ہیں۔۔۔۔ کم سن لڑکیون کی آہیں! یہ آنسو کس لیے ہیں اور یہ آہیں کیوں؟ تعلیم کے لیے! علم کی اس روشنی کے لیے جو ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ لیکن جس سے بیشتر انسان محروم ہیں۔“(19)

”ڈپٹی صاحب“ میں قاضی عبد الغفار کے ”لیلیٰ کے خطوط“ کے حوالے سے وہ ہندوستان میں عورتوں کے حالات میں آنے والے انقلابی سدھار پر بات کرتے ہیں۔ جس سدھار کا سہرا مغربی تہذیب کے سر ہو گا۔

سعادت حسن منٹو غریبی اور افلاس نو آبادیاتی نظام کی بہت بڑی دین تھا۔ ہندوستانی مارکس اور لینن کے نظریات میں اپنی افلاس کی راہ ڈھونڈ رہے تھے۔ ہندوستانی انگریز حاکموں کو غریب عوام کا تن ڈھانپنے اور پیٹ بھرنے کی چنداں فکر نہ تھی۔ ہندوستانی بیورو کریسی انگریز نوازشات سے متمول ہو رہی تھی اور غربت روز بروز بڑھ رہی تھی۔

> ” اگر وہ متمول اشخاص کے بچوں کا لباس اتار کر غرباء کے برہنہ بچوں کا تن ڈھانپتا ہے۔۔۔ تو کیا یہ عمل ان کے فرائض سے آگاہ نہیں کرتا، جو فلک بوس عمارتوں میں دوسرے لوگوں کے بل بوتے پر آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں؟“(20)

آتش پارے کے تمام افسانے ہندوستانی نو آبادیاتی نظام کے خلاف انقلاب کی نوید ہیں۔ وہ ”خونی تھوک“، ”انقلاب پسند“ اور ” جی آیا صاحب“ کا اقتصادی انقلاب ہویا” تماشا“ ،” طاقت کا امتحان‘ ‘ یا ”دیوانہ شاعر“ میں برپا حصول آزادی کا خون ریز انقلاب ہو۔ ہندوستان میں انگریزوں کی سفاک اور غیر انسانی مظالم میں سب سے بڑا واقعہ جس سے تاریخ آج تک انسانیت کے وجود سے مندمل نہیں کر سکی وہ سانحہ ” جلیانوالہ باغ“ ہے۔ ہندوستانی انگریز حکومت کے روکنے باوجود جلیانوالہ باغ میں حریت پسندوں کا جلسہ ہونا تھا۔ جس کو روکنے کے لیے شہر میں کرفیو لگا تھا۔ لیکن جلسہ ہوا اور جنرل ڈائر اور اس کے فوجی دستے کے ہاتھوں ہزاروں بے گناہ ہندوستانی سفاکانہ موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

منٹو کو غلامی اور بیچارگی کی زندگی سے نفرت تھی۔ اسی لیے نو آبادیاتی نظام کے خلاف مزاحمت اور انقلاب کے شعلے اس کی تحریروں میں بلند ہوتے نظر آتے ہیں۔ نو آبادیاتی نظام استحصالی رویوں سے متنفر منٹو کے قلم سے ”نیا قانون“ جیسا شاہکار افسانہ کو جنم لیتا ہے۔ نیا قانون کے اُستاد منگو کو منٹو ہی کی طرح انگریزوں سے نفرت ہے۔ اس افسانے میں نو آبادتی حاکموں کی محکوموں سے نفرت اور حقارت کو پیش کیا گیا ہے۔ انگریزوں کا احساس برتری انھیں اپنے محکموں کی تذلیل و تحقیر کرنے پر مجبور کرتا ہے اور وہ انھیں جانوروں کی طرح ہانکتے ہیں۔ اُستاد منگو کو بھی انگریزوں کے اسی رویوں سے چڑ ہے چھاؤنی کے انگریز اسے تنگ کرتے ہیں۔

> ” اُستاد منگو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب تو وہ یہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ اس کے ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں مگر اس کے تنفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اسے بہت ستایا کرتے تھے وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے گویا وہ ایک ذلیل کتا ہے۔“(21)

”اُستاد منگو‘ منٹو کا ایک ایسا کردار ہے جس کا سیاسی شعور ناقص ہے۔ اس کے خیال میں برطانوی حکومت ۱۹۳۵ء کے آئین کے مطابق ہندوستان میں جو نیا قانون نافذ کرے گی وہ ہندوستان کی عوام کا مقدر بدل دے گا۔ لیکن یہ فقط ایک جھانسہ ثابت ہوا اُستاد منگو کو اس قانون سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھی۔ وہ اس کے نفاذ کے لیے برے خوش آئندہ خواب دیکھ رہا تھا اور کسی خوشگوار تبدیلی کا خواہش مند تھا۔ وہ انگریزوں اور ان کے ہندوستانی بھائی بندوں کے استحصال سے ہندوستان کو پاک دیکھنا چاہتا تھا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

احمد ندیم قاسمی کی حب الوطنی مٹی کی محبت اور ہریالی کی خوشبو سے رچی بسی ہے لیکن اس میں عمارت اور غربت کے تضاد کی آمیزش ترقی پسندانہ عقائد نے کی ہے۔" جلسہ " اور "میرا دیس" میں انھوں نے اسی حب الوطنی کا اظہار کیا ہے۔

" میں جس دیس کی بات کرتا ہوں وہ اس دیس سے بالکل الگ ہے جہاں گاڑیاں چلتی ہیں اور موٹریں بھنبھناتی ہیں۔ جہاں ریشمی ساریاں سرسراتی ہیں اور باسی ہونٹ ہمیشہ لپ اسٹک کے محتاج رہتے ہیں۔ میں تو اس دیس کی باتیں کرتا ہوں جہاں چلنے کے لیے پاؤں استعمال کیے جاتے ہیں اور سنگار کے لیے ارغوانی پھول۔"(22)

"آبلے نو آبادیاتی نظام کے خلاف لکھے گئے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ افسانوں سے قبل احمد ندیم قاسمی "مدبروں کا تدبر" کے عنوان سے چند اقوال نقل کرتے ہیں۔ جن سے انگریزوں کی ہندوستان دشمنی کھل کر سامنے آتی ہے۔ نیز ہندوستان کو اس غلامی کا جو کفارہ ادا کرنا پڑا اس کا احاطہ بھی ہوتا ہے۔

" ہندوستان کا ہمیشہ خون چوستے رہنا چاہیے۔"

(لارڈ سالسری)

"اگر کبھی انگریزوں کو ہندوستانی اسی طرح چھوڑنا پڑا جس طرح رومنوں نے برطانیہ چھوڑا تھا، تو ایک ایسا ملک چھوڑ جائیں گے جس میں نہ تعلیم ہوگی نہ حفظانِ صحت کا سامان ہوگا اور نہ ہی دولت۔"

(سر ڈی ہملٹن)

"زمین کی فتح کے بعد ہندوستان کا دماغ بھی فتح کر لیا گیا۔"

(ہنٹر)

میرزا ادیب۔۔۔ نو آبادیاتی نظام کے خلاف اور حریت پسندانہ جذبات کو میرزا ادیب نے اپنے افسانون میں موضع بحث بنایا ہے۔ غریبی، مفلسی، ذہنی زوال، معاشرتی اقدار کی پامالی، "سب کو غلامی کی دین سمجھتے ہیں یہ باتیں لکھتے ہوئے ان کا لہجہ جذبات کی شدت سے لبریز یہ مکالمہ ہو جاتا ہے۔

"طوفان حوادث" میں حب الوطنی کے جذبہ سے لبریز یہ مکالمہ مرزا ادیب کے جذباتی طرز حتریر پر روشنی ڈالتا ہے۔

" بیٹی عذرا! تم مراد کی بات کو بھول گئی؟ اس نے جاتے وقت کیا کہا تھا؟ کیا اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اپنے وطن کی ملکیت ہوں اور آج میرے وطن کو میری ضرورت ہے۔"(23)

حب الوطنی کا یہ جذبہ حریت پسندی کے رنگ میں ڈھل جاتا اور آزی کے متوالے غلامی کی زنجیروں کو توڑ دینے کا۔ شرف حاصل کرتے ہیں۔ ان کی تحریر غلاموں کی بغاوت مٰیں حریت فکر کا عملی جامہ پہننے کو تیار ہے۔

" جو شخص آزاد ہونا چاہتا ہے۔ وہ آزادی کے لیے جنگ کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ موت اس کے اور اسکے مقصد زندگی کے درمیان دیوار حائل کر دے۔"(24)

راجندر سنگھ بیدی دیسی اور ولایتی حاکموں کے تقابل کے ساتھ ساتھ بیدی کے ایک اور افسانے میں ہندوستانی اور انگریز عورتوں کا تقابل نظر آتا ہے۔ یوں تو جب سے انگریز عورت ہندوستان وارد ہوئی اس دن سے ہی ہندوستانی عورت کا اس کے ساتھ مقابلہ ہونے لگا۔ پردے اور چار دیواری کی بحثوں نے سر اُٹھایا۔ مرد دور عورت کی برابری کے تذکرے ہوئے۔ ایسا ہی ایک ذکر ہندوستانی اور انگریز ماں کے مقابلے کا افسانہ "آلو" میں ہے جس میں مکھی سنگھ اپنی بیوی کو طعنہ دیتا ہے:

" بچے تو انگریز عورتوں کو پالنے آتے ہیں۔ ہندوستانی عورتوں کو ماں ہونے کا کوئی حق نہیں۔"(25)

جس کے جواب میں اس کی بیوی کہتی ہے:

" ان لوگوں کے پاس بچوں کو کھلانے کے لیے اای ہوتی ہے۔ روٹیاں پکانے کے لیے خانسامے۔"(26)

بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو بیدی کے افسانوں میں انگریز راج سے آزادی کی خواہش موجود ہے۔ اگرچہ انگریز دور میں ہندوستانی عوام کو کچھ مفادات حاصل ہوئے لیکن پھر بھی یہ آزادی کا نعم البدل نہیں۔ اسی طرح بلونت سنگھ، محمد حسن عسکری، کرشن چندر، ابراہیم جلیس اور ہاجرہ مسرور کے افسانوں میں بھی نو آبادیات کے اثرات نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ افسانہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

نگار نو آبادیات کے خلاف مزاحم نظر آتے ہیں تو کئی برصغیر کے سادہ لوح لوگوں کی اہل ثروت سے بے جا امیدیں وابستہ کرنے، لوگوں کے انگریزوں سے متاثر ہونے، انگریزی تہذیب کی نقالی کرنے کی اپنے افسانوں میں تصویر کشی کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر اردو افسانے پر نو آبادیات کے اثرات بہت زیادہ ہیں اور کوئی بھی افسانہ نگار اس اثر سے مبرا نہیں۔

حوالہ جات

1. Oxford English Dictionary London in Ania Loomba Colonilism/Post Colonilism, London (1998)P.01

2۔ ایضا، ص2

3. Adword In Laced, Culture and Imperialism,Vintag England .New Yark 1994,P 9

4. K.K. Aziz, the British in India, Islamabad: National Commission on Historical and Cultural Research, 1976, p. 50

5۔ نیر، ناصر عباس، ڈاکٹر، مابعد نو آبادیات: حدود اور امتیازات۔، ش، ولہ مابعد نو آبادیات: اردو کے تناظر میں، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، اشاعت اول 2013، ص10

6۔ ایضا، ص5

7۔ سجاد حیدر یلدرم، مرتبہ: خیالستان، مرتبہ معین الرحمٰن، کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، ص44

8۔ کلیات پریم چند، جلد ۹ مرتبہ مدن گوپال، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، ص ۷

9۔ کلیات پریم چند، جلد ۹ مرتبہ مدن گوپال، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، ص237

10۔ کلیات پریم چند، جلد ۹ مرتبہ مدن گوپال، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، ایضاً، ص ۴۴۷ تا ۴۵۰

11۔ راشد الخیری، سراب مغرب، دہلی، عصمت بک ایجنسی، ۱۹۱۸ء، ص ۱

12۔ چودھری محمد علی ردولوی، مرتبہ سید علی کاظم، کشکول، کراچی، اُردو اکیڈمی، سندھ ۱۹۶۰ء، ص ۴۴۱ تا ۴۴۲

13۔ سلطان حیدر جوش، فسانہ جوش، لکھنو، دارالناصر پریس، ۱۹۲۶ء، ص ۱۱۲

14۔ نیاز فتح پوری، نگارستان، لکھنو، نسیم بک ڈپو، ۱۹۸۳ء، ص ۲۰

15۔ شوکت تھانوی، سودیشی ریل، لاہور ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۴۶ء، ص ۱۱۵

16۔ احمد علی، شعلے، نیا سنسار، الہ آباد ۱۹۳۶ء، ص ۱۰

17۔ احمد علی، شعلے، نیا سنسار، الہ آباد ۱۹۳۶ء، ص ۷

18۔ احمد علی، شعلے، نیا سنسار، الہ آباد ۱۹۳۶ء، ص37

19. The Rise & Fall of British India, Karl de Schwinitz Jr. Mathuen Company Ltd. 1883, P-1.

20۔ سعادت حسن منٹو، ”آتش پارے“، مکتبہ شعر و ادب لاہور ۱۹۳۶ء، ص ۱۰۰

21۔ منٹو کے افسانے، دہلی، ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۰ء، ص ۲۹۲

22۔ عزیز احمد، رقص ناتما، لاہور، مکتبہ جدید، س ن، ص ۱۵

23۔ مرزا ادیب، دیواریں، لاہور، عالمگیر بک ڈپو، ۱۹۴۷ء، ص ۱۱۵

24۔ مرزا ادیب، دیواریں، لاہور، عالمگیر بک ڈپو، ۱۹۴۷ء، ص 134

25۔ راجندر سنگھ بیدی، دانہ و دام، لاہور، نیا ادارہ، س ن، ص ۵۲

26۔ راجندر سنگھ بیدی، دانہ و دام، لاہور، نیا ادارہ، س ن، ص ۵۲